POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 September 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 16-09-2025 • Price: 5/- • 22-28 September 2025 • Issue: 36 • Vol:84

۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۳۶ • جلد: ۸۴

صحتِ زبان (۳۱)

رؤف پاریکھ

☆ افزا یا افزاء؟

ایک بار محترم ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب (جو ایران میں کئی سال اردو پڑھاتے رہے ہیں) نے راقم کو بتایا کہ بعض اردو الفاظ یا مرکبات کا اردو میں ایسا استعمال ہے کہ ایرانی بھی داد دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ایک بار ایک ایرانی کتب خانے میں کتاب دار (یعنی لائبریرین) سے اردو میں فارسی الفاظ کے استعمال پر بات ہو رہی تھی۔ خاتون اس بات پر نالاں تھیں کہ اردو والے فارسی کے بعض الفاظ کو مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ فراقی صاحب نے جواب دیا کہ بعض تراکیب تو اردو والوں نے فارسی کی ایسی بنائی ہیں کہ فارسی سے بھی بہتر ہیں۔ انھوں نے کہا مثلاً؟ فراقی صاحب نے کہا کہ آپ لوگ فارسی میں اس شخص کو کیا کہتے ہیں جو بیوی کی فرماں برداری غلامی کی حد تک کرتا ہو۔ جواب ملا: 'زن ذلیل'۔ فراقی صاحب نے کہا دیکھیے ہم اردو والے اس کو 'زن مرید' کہتے ہیں۔ وہ اچھل پڑیں اور کہا کہ واقعی اردو کی اصطلاح فارسی سے بہتر ہے۔

اس پر ہم نے فراقی صاحب کو بتایا کہ سائنسی اصطلاح کے طور پر اردو میں لفظ 'افزودگی' استعمال ہوتا ہے جو enrichment کا ترجمہ ہے اور 'یورنیم کی افزودگی' کی اصطلاح بھی اردو میں استعمال ہوتی ہے۔ ایک طالبہ لیلیٰ عبدی خجستہ ایران سے پاکستان اردو لغات پر پی ایچ ڈی کرنے آئی تھیں۔ ایک بار اردو میں فارسی الفاظ کے موضوع پر گفتگو کے دوران میں اس طالبہ نے لفظ 'افزودگی' کے اِس استعمال پر اردو والوں کو بہت داد دی تھی اور کہا کہ ایران میں کچھ اور اصطلاح استعمال ہوتی ہے لیکن اردو کی اصطلاح بہتر ہے۔

یہ کچھ اور ذکر نکل آیا، کہنا یہ تھا کہ افزودگی کا لفظ افزودن سے ہے۔ اردو میں ایک لفظ استعمال ہوتا ہے افزا۔ یہ بھی فارسی کے اَفزُودَن سے ہے۔ افزودن کے لغوی معنی ہیں بڑھانا، اضافہ کرنا۔ افزا کا مطلب ہے: بڑھانے والا، وہ جو اضافہ کرے۔ یہ اردو میں لاحقے کے طور پر مستعمل ہے۔ جیسے روح افزا، رونق افزا، ہمت افزا، راحت افزا، مسرت افزا۔ اسی سے افزائی بھی ہے اور حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی بھی اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ اردو میں اب 'افزا' کے آخر میں غیر ضروری طور پر ہمزہ (ء) لکھنے لگے ہیں یعنی اس کو 'افزاء' لکھتے ہیں۔ لیکن اس طرح ہمزہ عموماً عربی الفاظ کے آخر میں آتا ہے جبکہ افزا فارسی کا لفظ ہے اور اس کے آخر میں ہمزہ لکھنا بے تکی بات ہے۔ بلکہ اب تو بعض عربی الفاظ کے اردو املا کے آخر سے بھی ہمزہ نکالنے کی ہمت افزائی کی جاتی ہے، مثلاً امراء، وزراء، غرباء، ادباء، شعراء، وغیرہ کے آخر میں اب اردو والے ہمزہ نہیں لکھتے کیوں کہ اب ان کا اردو تلفظ عربی تلفظ سے خاصا مختلف ہو چلا ہے اور ان الفاظ کو اب عام طور پر امرا، وزرا، غربا، ادبا، شعرا، وغیرہ (بغیر ہمزہ کے) لکھا جاتا ہے۔ بلکہ فارسی والے بھی ان عربی الفاظ کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھتے۔

یعنی ایک طرف تو عربی الفاظ کے اردو املا کے آخر سے ہمزہ نکالنے کی باتیں ہو رہی ہیں اور کچھ لوگ بے خیالی میں فارسی الفاظ کے آخر میں ہمزہ کا بلا وجہ اضافہ کر رہے ہیں۔ درست املا ہے افزا۔ ہمزہ کے بغیر۔

☆ چھیوں، بیسوں، بیسیوں، پچاسوں، پچاسیوں

اردو میں عام طور پر عدد کی جمع نہیں بنائی جاتی بلکہ عدد کے بعد جو اسم آتا ہے اس کی جمع بناتے ہیں، مثلاً چار لڑکے، سات کتابیں، دس کرسیاں وغیرہ۔ پانچ، سات، دس، بیس اور پچاس وغیرہ اعدادِ معیّن ہیں اور ان سے ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم ہوتی ہے۔ قواعد کی زبان میں ان کا ایک نام 'صفتِ عددی معلوم' بھی ہے۔

گو عام طور پر عدد کی جمع نہیں بنائی جاتی لیکن جب کثرت کو ظاہر کرنا ہو تو بعض اعداد کی جمع بناتے ہیں، جیسے سیکڑوں (یا سینکڑوں)، ہزاروں، لاکھوں۔ ان الفاظ (مثلاً ہزاروں، لاکھوں، دسیوں، بیسیوں) سے اندازہ یا ظن و تخمین کا اظہار ہوتا ہے مگر ساتھ ساتھ کثرت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ ان سے ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہوتی۔ سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، بیسیوں وغیرہ اعدادِ غیر معیّن ہیں۔ مثلاً:

غالب نے کہا:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

اقبال کا مصرع ہے:

نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

داغ دہلوی کا شعر ہے:

حضرتِ دل آپ ہیں کس دھیان میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

ہزاروں، بیسیوں، دسیوں وغیرہ کا قواعد میں ایک نام صفتِ عددی مجہول بھی ہے (مجہول یعنی نا معلوم، کیوں کہ اس میں ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہوتی)۔ لیکن سب دہائیوں کی جمع نہیں آتی اور قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے جامع القواعد (حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ بیشتر دس، بیس اور پچاس کی جمع آتی ہے یعنی کثرت ظاہر کرنے کے لیے دسیوں، بیسیوں، پچاسیوں بولتے ہیں۔ لیکن ستّر اور نوّے کی صفتِ عددی مجہول نہیں آتی[1]۔ عدد کی ایک اور جمع بھی ہوتی ہے۔ اسے عددِ استغراقی کہتے ہیں۔ وہ اس وقت آتی ہے جب تمام افراد کا ذکر ہو، مثلاً چاروں، دسوں، بیسوں اور اس میں 'جتنے ہیں ان میں سے سب' کا مفہوم ہوتا ہے، یعنی کوئی باقی نہیں رہتا۔ جیسے:

ایک سب آگ، ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

یعنی دو کے دو عذاب ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ایک ہے اور ایک نہیں ہے۔

مزید مثالیں دیکھیے:

— چاروں لڑکیوں نے نماز پڑھ لی یعنی مجموعی طور پر چار لڑکیاں تھیں اور ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں تھی جس نے نماز نہ پڑھی ہو (سب شامل ہیں)۔
— پانچوں نمازیں وقت پر ادا کیں یعنی پانچ نمازوں میں سے سب کی سب وقت پر ادا کیں (سب شامل ہیں)۔
— دسوں انگلیوں کے ناخن کاٹ لیے یعنی دس انگلیوں میں سے ایک بھی ایسی باقی نہیں رہی جس کا ناخن نہ کاٹا گیا ہو (سب شامل ہیں)۔

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

— پچاسوں آدمی کھانا کھا کر گئے یعنی پچاس آدمی تھے اور پچاس کے پچاس کھانا کھا کر گئے (سب شامل ہیں)۔

گویا، دو سے دونوں، تین سے تینوں، چار سے چاروں، پانچ سے پانچوں، چھے سے چھیوں، دس سے دسوں، بیس سے بیسوں اور پچاس سے پچاسوں۔ یہ سب اعدادِ استغراقی ہیں اور قواعد میں ان کا دوسرا نام صفتِ عددِ مجموعی ہے۔ استغراق کے ایک معنی ڈوبنے یا غرق ہونے کے ہیں اور دوسرے معنی ہیں: گھیر لینا، احاطہ کر لینا۔ چوں کہ اس ترکیب میں تمام افراد یا چیزوں کو گھیر لیا جاتا ہے یا ان کا احاطہ کر لیا جاتا ہے اس لیے ان اعداد کو اعدادِ استغراقی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ عدد کے بعد واو اور نون غنہ بڑھاتے ہیں، جیسے سات + وں، یعنی ساتوں، دسوں، بیسوں۔

جیسے ایک مشہور پہیلی ہے: بیسوں کا سر کاٹ لیا، نہ مارا نہ خون کیا۔ اس پہیلی کا جواب ہے: ہاتھ اور پاؤں کی مجموعی بیس انگلیوں کے ناخن (اور سب کے سب)۔ یہاں بیسوں عددِ استغراقی ہے۔ بیس سے بیسوں بنا یعنی بیس کے بیس۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ہر عدد سے عددِ استغراقی نہیں بن سکتا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب جامع القواعد فرماتے ہیں کہ بعض اعداد پر 'وں' بڑھا کر صفتِ عددِ مجموعی نہیں بناتے بلکہ اسی عدد کو دو بار لکھ کر درمیان میں 'کے' یا 'کی' کا اضافہ کرتے ہیں، جیسے ستر کے ستر لڑکے، نو کی نو کتابیں[1]۔

'سب کے سب' کے مفہوم میں عدد کو دو بار لکھنا عام قاعدہ ہے اور دسوں اور بیسوں کی جگہ بھی دو بار عدد لکھ سکتے ہیں، جیسے: دسوں لڑکوں کے بجائے دس کے دس لڑکے یا بیسوں کتابوں کی جگہ بیس کی بیس کتابیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات اشتراک اور شمول پر زور دینے کے لیے عددِ استغراقی کی تکرار جمع کے صیغے میں بھی کی جاتی ہے، جیسے: دونوں کے دونوں، تینوں کے تینوں، ساتوں کے ساتوں[2]۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دسوں (دس + وں) الگ لفظ ہے اور دسیوں (دس + یوں) الگ ہے، اسی طرح بیسوں (بیس + وں) الگ ہے اور بیسیوں (بیس + یوں) الگ۔ دسوں (دس کے بعد 'وں')، بیسوں (بیس کے بعد 'وں') اور پچاسوں (پچاس کے بعد 'وں') تو اعدادِ استغراقی ہیں لیکن دسیوں (دس کے بعد 'یوں')، بیسیوں (بیس کے بعد 'یوں') اور پچاسیوں (پچاس کے بعد 'یوں') اعدادِ استغراقی نہیں ہیں بلکہ صفتِ عددی مجہول ہیں اور کثرت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہوتی، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اور اسے 'ہزاروں' اور 'لاکھوں' جیسی مثالوں سے اوپر واضح کیا گیا۔ جیسے:

— بیسیوں مارے مارے پھرتے ہیں (یعنی بہت لوگ مارے مارے پھرتے ہیں، کثرت سے لوگ ہیں جو مارے مارے پھرتے ہیں)۔
— دسیوں بار سمجھایا ہے (یعنی بہت بار سمجھایا ہے، کثرت سے سمجھایا ہے)۔
— پچاسیوں کو پڑھا کر چھوڑ دیا (یعنی بہت سوں کو پڑھایا ہے، بڑی تعداد کو پڑھایا ہے)۔

اب ذرا چھیوں کی بات بھی ہو جائے۔ اس کا اندراج اردو لغت بورڈ کی بائیس (۲۲) جلدی لغت میں بھی نہیں ہے۔ چھیوں دراصل چھے (۶) کا عددِ استغراقی یا صفتِ عددی مجموعی ہے۔ فتح محمد جالندھری نے مصباح القواعد میں تینوں، چاروں، پانچوں، چھیوں، ساتوں لکھا ہے[3]۔ رشید حسن خاں نے اپنی کتاب اردو املا میں چھیوں کا تلفظ اس طرح بتایا ہے کہ اس میں یائے مخلوط ہے[4]۔ یائے مخلوط سے مراد ہے وہ 'ی' جس کی آواز اپنے سے پہلے آنے والے حرف کی آواز سے مل کر نکلے، جیسے کیوں، کیا، کیاری، پیاز، پیار وغیرہ میں 'ی' کی آواز۔ ان الفاظ میں پہلے حرف کے نیچے زیر نہیں ہے بلکہ پہلے حرف کو 'ی' سے ملا کر بولنا ہے۔ جیسے لفظ 'کیا؟'، جو حرفِ استفہام ہے اور سوال کے لیے آتا ہے، جیسے: کیا ہوا؟ اگر اس میں 'ک' کے نیچے زیر لگا دیں تو یہ 'کِیا' بن جائے گا جو کرنا کا ماضی ہے، مثلاً فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ تو یاد رکھیے گا کہ لفظ چھیوں میں بھی یائے مخلوط ہے، زیر نہیں ہے۔ سودا کا شعر ہے:

فکرِ معاش، عشقِ بتاں، یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کِیا کرے

دوسرے مصرعے میں پہلے دو بار 'کیا' کا لفظ حرفِ استفہام ہے اور کاف کے بعد یائے مخلوط ہے۔ پھر کِیا کے کاف کے نیچے زیر ہے اور یہ مصدر 'کرنا' کا صیغۂ ماضی ہے۔

طالب علموں کی سہولت اور یاد دہانی کے لیے قواعد کی اِن تین اصطلاحات کی وضاحت مثال کے ساتھ پیش ہے:

— دس لڑکے (صفتِ عددی معلوم) (یہاں تعداد معلوم اور معیّن ہے)۔
— دسوں لڑکے (صفتِ عددی مجموعی یا عددِ استغراقی) (یعنی دس کے دس، سب کے سب، تمام کے شامل ہونے کا مفہوم ہے)۔
— دسیوں لڑکے (صفتِ عددی مجہول) (بہت لڑکے، کثرت ظاہر ہو رہی ہے لیکن ٹھیک تعداد ظاہر نہیں ہو رہی)۔

☆ دوم اور سوم یا دوئم اور سوئم؟

فارسی کے اعدادِ ترتیبی یعنی یکم، دوم، سوم، چہارم وغیرہ اردو میں بھی رائج ہیں لیکن ان کے تلفظ اور املا میں کبھی کبھی تھوڑی سی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ مثلاً یکم (یعنی پہلا یا پہلی) کے تلفظ میں کاف پر پیش ہے لیکن بعض لوگ زبر بولتے ہیں جو صحیح نہیں۔ بلکہ فارسی کے اعدادِ ترتیبی میں آخر کے 'م' سے پہلے والے حرف پر پیش ہی ہوتا ہے، جیسے: پنجُم، ششُم، ہفتُم، ہشتُم، نہُم اور دہُم وغیرہ۔

اسٹین گاس کی لغت کے مطابق دوم (یعنی دوسرا یا دوسری) کا درست تلفظ 'دُوُم' (دال پر پیش اور واو پر بھی پیش) ہے۔ اگرچہ جدید فارسی میں تو دوم میں واو پر تشدید بھی ہے۔ بعض لوگ اردو میں اسے دوئم لکھتے ہیں یا دویم۔ یہ دونوں املا غلط ہیں۔ دوم درست املا ہے۔

اسی طرح سوم کا تلفظ اسٹین گاس کے مطابق 'سِوُم' (سِ وُم: س کے نیچے زیر اور واو پر پیش) ہے (البتہ جدید فارسی میں سوم میں واو پر تشدید بھی ہے)۔ اس کا درست املا سوم (س و م) ہے۔ لیکن اردو میں بعض لوگ سوم کو سوئم (س و ء م) یا 'سویم' (س و ی م) لکھتے ہیں اور اس طرح املا میں ایک حرف کے اضافے سے مفہوم کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ سویم تو مرنے کے بعد تیسرے دن ہوتا ہے یعنی تیجا۔ اسی سویم یعنی تیجے کو کچھ لوگ سوئم بھی لکھتے ہیں۔ چلیے تیجے کا تو یہ املا رائج ہے یعنی سویم یا سوئم۔ لیکن دوسرا اور تیسرا کے مفہوم میں دوم اور سوم میں ہمزہ لکھنا یا 'ی' لکھنا (یعنی دوئم یا سوئم) غلط ہے۔ لیکن افسوس کہ اردو کی درسی کتابوں میں بھی سرورق پر دوئم اور سوئم لکھا ہوتا ہے۔ ٹیکسٹ بک بورڈ والوں کے لیے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔ کچھ کہنے سننے یا لکھنے کا تو ان پر اثر ہوتا نہیں ہے۔ درست املا ہے: دوم، سوم۔

حواشی:

۱۔ (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۰۴۔
۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹۔
۳۔ ایضاً، ۱۰۸۔
۴۔ (رام پور: اشاعت خانہ رام پور، ۱۹۴۵ء)، حصۂ اول، ص ۱۴۵۔
۵۔ اردو املا، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۵۹ (دوسرا ایڈیشن)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکارا رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی ان کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیوؤں کا ظہور (الوک اگروال/ بینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیر ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس کھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میری خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انورِ عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکم سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویر کول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام،	
	یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخن افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

محمد یعقوب اسلم

تامل ناڈو کے ایک قابل اُستاد اور دانِشور

سراج زیبائی

موجودہ دور کے تعلیمی نظام اور علوم وفنون میں جو جمود وانحطاط چھایا ہوا تھا، اس سے ہمارے عمائدینِ کرام فکر مند رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تحصیلِ علم سے انسانی زندگی کو فائدہ پہنچے۔ موجودہ نئی نسل کو علم وفن کی اہمیت اور زبانِ اردو کی افادیت سے آگاہ کرنے میں جن اصحابِ علم وفن نے مسلسل جدو جہد کی ان میں ہمارے شہر وانمباڑی ٹمل ناڈو کے عمائدین کے علاوہ اکابرینِ علم وادب اور اساتذۂ کرام میں مولوی یعقوب اسلم بھی قابلِ ذکر ہیں۔ موصوف ہمیشہ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ ہماری نئی نسل کو اردو وادب سے راغب کرانے میں ہمہ وقت منہمک رہتے تھے۔ خصوصاً ہمارے مسلم بچوں کو تعلیم سے رغبت دلانے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے تاکہ ہماری نئی نسل اعلا تعلیم حاصل کر کے سرکاری محکموں میں اعلا سے اعلا عہدوں پر فائز ہو۔ اس ضمن میں موصوف نے طلبہ کے لیے جو درسی کتابیں لکھیں وہ نہایت سود مند ثابت ہوئیں۔

بزمِ نو وانمباڑی ٹمل ناڈو ایک ایسی فعال ادبی انجمن تھی جس نے ہر ماہ طرحی مشاعرے منعقد کر کے اہم ریکارڈ قائم کیا۔ تقریباً 400 سے بھی زائد طرحی مشاعروں کا انعقاد نہایت غیر معمولی بات ہے۔ موصوف زبان وادب کی ترویج واشاعت میں سرگرم اس ادبی کارواں سے آخر تک جڑے رہ کر اپنی بیش بہا خدمات انجام دیتے رہے۔ اس بزمِ نو کے سرپرست بزرگ شاعر ڈاکٹر محمد عبداللہ ذوقی، حکیم مخدوم اشرف کے علاوہ نیاز وانمباڑی، رحمان صبا، نور آفاق، عتیق جاذب، ملک ضیا، تبسم رشید، فاروق فرحت، شاداب بے دھڑک، نعیمہ پرویز اور راقم الحروف (جو نائب معتمد بھی رہا) کی سرپرستی میں یہ بزم پروان چڑھتی رہی۔ اس بزم سے وابستہ کئی اصحابِ علم وفن آج شہرت ومقبولیت کے بامِ عروج پر دکھائی دے رہے ہیں۔

دارالسلام عمر آباد، ٹمل ناڈو میں مولوی فاضل کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران آپ کو کئی بزرگانِ دین کی نورانی صحبتیں نصیب ہوئیں جس کا فیض یہ ہوا کہ ان کے فکر وفن پر اس کا گہرا اثر پڑا۔ ان کی ذہنی تربیت پاکیزہ اخلاقی اور دینی ماحول میں ہوئی تھی جبھی تو ان کے اکثر اشعار اتنے عمدہ اور مطہر ہیں۔

ہمارے طلبہ میں انھوں نے دیگر علوم وفنون سے رغبت دلانے کے ساتھ ساتھ ان میں سائنسی شعور کو بیدار کرنے کے لیے ’سائنس گائیڈ‘ نامی کتاب لکھی تاکہ طلبہ کی ذہنی ومعاشی حالت میں سدھار آئے۔ موصوف کو ان کی فکری وفنی توانائیوں کی بدولت نامی گرامی شعرا وادبا کی صف میں جگہ ملی۔ انھوں نے مدراس یونیورسٹی سے منشی فاضل اور بعد میں 1979 میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایم اے کی سند حاصل کی۔ 1967 سے اسلامیہ ہائیر سکنڈری اسکول وانمباڑی کے اردو شعبے میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر وہیں سے سبک دوش ہوئے۔

آج موصوف ہمارے بیچ نہیں ہیں لیکن ان کی ہمہ جہت شخصیت اور منفرد شاعری اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گی۔ انھوں نے فضائے حیات اور مسائلِ کائنات کو ہمیشہ اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

اسلم صاحب نے غزل کو حیات وکائنات کی وسعتوں میں پھیلا دیا۔ ان کی غزلوں میں ایک مخصوص قسم کی سادگی دیکھی جاتی ہے۔ انھوں نے عوامی بول چال کی زبان میں گفتگو کے لہجے کو اپنی غزلوں میں برتا ہے۔ انھوں نے اپنے گرد وپیش کے تمام موضوعات کو اپنی شاعری میں سمو دیا۔ یہی کاوش انھیں ان کے ہم عصروں میں ممتاز رکھتی تھی۔

موجودہ عہد جس بحران وتعطل کا شکار ہے۔ انسانیت جن بے چینیوں سے دوچار ہے، اسلم صاحب اس سے بجا طور پر واقف تھے۔ چناں چہ ان کی موزونیِ طبع نے ان سارے مسائل کو شعری پیرہن عطا کیا۔ موصوف کی شاعری کی زبان نہایت سلیس ہوتی ہے جس سے ہر قاری آسانی سے مستفیض ہوسکتا ہے۔ ان کے شعری رنگ وآہنگ میں اظہار کی مختلف کیفیتیں ڈھل جاتی تھیں۔ اس طرح ان کی غزل نئے مفاہیم سے آشنا ہوتی تھی۔

یعقوب اسلم نے اردو ادب میں نئی جہتیں پیدا کیں۔ ان کی شاعری میں علامتی ونظریاتی عناصر کارفرما نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں انسانی احساسات کی گہرائیوں کو بھی اجاگر کیا۔ اظہار کی مختلف کیفیتیں ان کے شعری رنگ وآہنگ میں ڈھل گئی ہیں۔ کہتے ہیں:

لفظ بھٹکے ہوئے آہو ہیں پھسل جاتے ہیں
اژدھے ہیں جو معانی کو نگل جاتے ہیں

ان کی شاعری میں بے پناہ وسعتوں کے ساتھ ایک لامحدود تناظر بھی دیکھا جاتا ہے۔ غیرتِ نفس، خودداری، انکساری اسلم صاحب کی ذات کے اجزائے ترکیبی تھے جو ان کے سخن میں اس طرح در آئے:

اپنے دامن کو گوارہ نہیں دھبوں کے نشاں
ہر برائی سے جو ہم صاف نکل جاتے ہیں

صنفِ غزل اپنی نزاکت و لطافت، رمزیت واشاریت کے حوالے سے بے نظیر ومقبولِ عام صنفِ سخن رہی ہے اور ہمارے شعرا نے اس صنف کو خوب سجایا اور سنوارا ہے۔ اسلم صاحب نے بھی غزل کی پوری نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کے تغزل کو پوری فکر کی گہرائی کے ساتھ پیش کیا ہے جنھیں پڑھ کر ہماری طبیعت وجد میں آجاتی ہے۔

چوں کہ موصوف کی شاعری کی زبان نہایت سلیس ہوتی تھی لہٰذا اس سے ہر قاری آسانی سے افہام وتفہیم کی منزل سر کرلیتا تھا:

لمبی طویل رات کا مفہوم مختصر
لفظوں کی کائنات کرے دھوپ کا سفر

ان کی شاعری پڑھ کر قاری درد کی نزاکتوں اور زندگی کی حقیقتوں سے روشناس ہوتا ہے۔ یہاں شاعر یہ ترغیب دیتا ہے کہ کس طرح آدمی کو زندگی کی ڈگر میں اپنا دامن بچا کر گزرنا چاہیے:

زیست کی راہ میں دلدل بھی ہیں کانٹے بھی ہیں
ہر قدم اپنا بہت سوچ سمجھ کر رکھنا
وقت کی دھوپ میں جل جاتے ہیں اچھے اچھے
موم کی طرح کبھی سنگ پگھل جاتے ہیں

اس طرح انھوں نے ہمیشہ فضائے حیات اور مسائلِ کائنات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

شاعری کے علاوہ موصوف نے افسانے بھی لکھے۔ تنقید اور تاثراتی مضامین لکھنے میں بھی انفرادی مقام حاصل کیا۔ ان کے افسانوں کی کتاب ’چہرے کی دیوار‘ 1986 میں منظرِ عام پر آئی جسے فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ نے شائع کیا۔ ان کے افسانوں میں کہانی کا جوہر، منظر کشی، پلاٹ، تاثراتی پہلو، کردار نگاری اور اسلوب سارے لوازمات جو افسانہ نویسی کے لیے ضروری ہوتے ہیں، موجود ہیں۔ ان کے کئی افسانوں میں پس ماندہ طبقوں کی تلخ حقیقت بیانی ہوئی ہے۔ عورت کی بدحالی اور استحصال ان کے خاص موضوعات ہیں۔ معروف شاعر ڈاکٹر عزیز تمنائی نے ان کے افسانوں کو پڑھ کر کہا تھا ”ایک اچھا افسانہ نگار روزمرہ کے مشاہدات کو کہانی کا روپ دیتا ہے۔ خلوص اور سچائی کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اور سطحی رنگ آمیزیوں سے انھیں پاک وصاف رکھتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں یعقوب اسلم کے افسانوں میں یکجا ہوگئی ہیں“۔ موصوف کی دیگر تصانیف میں ’آپ سا کوئی نہیں‘ اور ’رسولِ عربی‘ (نعتیہ کلام) بچوں کے لیے لکھی گئیں معیاری کہانیاں، امر کہانیاں اردو گائیڈ، سائنس گائیڈ، اردو گرامر (اٹھائیس ایڈیشن شائع ہوئے)، اردو خطوط، اردو سیکھیے، تمل سیکھیے، ہندی سیکھیے، محاورات اور ضرب الامثال، مٹی کی خوشبو (سوانحی خاکے)، دو ندیوں کے پار (شعری مجموعہ) بزمِ نو وانمباڑی کا ادبی منظر نامہ، مفکر، مدرس اور رہنما (محمد عبدالغنی سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ بوائز ہائیر سکنڈری اسکول وانمباڑی، شخصیت اور علمی خدمات)، عکس در عکس (علیم صبا نویدی کی سوانح)۔ علاوہ ازیں معروف اردو ناول نگار ابنِ صفی کے ناولوں کے آپ رسیا تھے۔ ان کے ناولوں پر ان کے لکھے ہوئے مضامین بہت پسند کیے گئے۔ موصوف کی صحافتی خدمات بھی اپنی جگہ مسلم ہیں۔ ایک علمی وادبی پرچہ ’آشیاں کے تنکے‘ بھی آپ کی ادارت میں جاری ہوا اور اس کے کئی شمارے اہتمام سے شائع ہوتے رہے۔ محمد یعقوب اس کے پبلشر تھے اور پروفیسر رحمت اللہ اور پروفیسر انور کمال اس کے معاون مدیر تھے، بعد میں اپنا ایک ذاتی رسالہ ’چراغِ اردو‘ کے نام سے جاری کیا۔ اس کے دو ایک شمارے ہی نکلے تھے۔ اس میں ریاست و بیرونِ ریاست کے نامی گرامی اہلِ قلم کی معیاری نگارشات شائع ہوتی رہیں۔

اسلم صاحب کی شاعری اور تنقیدی وتاثراتی مضامین آجکل، بانو، علم بردار، برگ آوارہ، آشیاں، سالار، پیامِ تعلیم، بانو اور بچوں کے لیے لکھی ہوئی ان کی نظمیں ’کھلونا‘ اور ’پھلواری‘ وغیرہ رسالوں میں شائع ہوئیں۔

سراج زیبائی
(شیموگہ، کرناٹک)
E-mail: sirajzebayi10@gmail.com
Mobile: 8296694020

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اردو دُنیا

چینئی کے پریزیڈنسی کالج میں شعبۂ اُردو کی منظوری

چینئی (13 ستمبر)۔ڈاکٹر محمد نعیم الرحمٰن (وائس چیئرمین تامل ناڈو اردو اکیڈمی) نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ شعبۂ اردو تقریباً 15 سے 20 سال پہلے درجِ ذیل سرکاری کالجوں میں قائم اور فعال تھے۔ پریزیڈنسی کالج، قائدِ ملّت سرکاری کالج برائے خواتین، سرکاری بھارتی وومینز کالج نارتھ مدراس، کوئین میری کالج اور نندانم آرٹس کالج چینئی۔ مگر سوائے کوئین میری کالج کے دیگر کالجوں میں اس وقت شعبۂ اردو سرگرم نہیں ہے۔ کافی جدوجہد، نمائندگی اور رجسٹرار مدراس یونی ورسٹی سے ملاقاتوں کے بعد گذشتہ 12 ستمبر کو پریزیڈنسی کالج میں شعبۂ اردو کے تحت بی اے اردو ڈگری کورس کو ڈی سی ای اور مدراس یونی ورسٹی سے باقاعدہ منظوری مل گئی ہے اور سات طلبہ کا داخلہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ خبر تامل ناڈو کے تمام محبانِ اردو کے لیے خوش آئند ہے۔ شعبۂ اردو کے لیے نئے وزیٹنگ لکچرر کا تقرر بھی ہو چکا ہے۔ اردو اکیڈمی کی مسلسل کوششیں جاری ہیں کہ چینئی کے دیگر تین کالجوں اور دوسرے اضلاع میں بھی شعبۂ اردو کا آغاز کیا جائے۔ پریزیڈنسی کالج کی ساری فیس ایک اردو این جی او اسپانسر کرے گی۔ طلبہ کو کالج میں داخلہ لینے کی ترغیب دیں۔ (سیاست۔حیدرآباد)

اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں کا مظاہرہ

اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدوار گذشتہ 10 سال سے رزلٹ جاری کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں، حکومت پر مطالبے کو نظرانداز کرنے کا الزام

پٹنہ (3 ستمبر)۔اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں نے جے ڈی یو کے دفتر کا گھیراؤ کر کے زبردست مظاہرہ کیا۔اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدوار گذشتہ 10 سال سے رزلٹ جاری کرنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ حکومت سے اب تک انھیں صرف یقین دہانی ملی ہے۔ان کا الزام ہے کہ حکومت جان بوجھ کر ان کے مطالبے کو نظرانداز کررہی ہے۔ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی سنگھ کے صدر مفتی حسن رضا کی قیادت میں سیکڑوں امیدواروں نے جے ڈی یو دفتر کے سامنے مظاہرے کے دوران حکومت کے خلاف جم کر نعرے بازی کی۔امیدوار وزیرِ اعلا نتیش کمار سے ملاقات کا مطالبہ کررہے تھے۔اس دوران امیدواروں اور پولیس کے درمیان جھڑپ بھی ہوئی۔حالات پر قابو پانے کے لیے جے ڈی یو دفتر کا گیٹ بند کردیا گیا اور بڑی تعداد میں پولیس اہلکار تعینات کردیے گئے۔

مفتی حسن رضا نے بتایا کہ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امیدواروں کو امتحان پاس کرنے کے بعد بھی ناکام قرار دے دیا گیا۔انھوں نے کہا کہ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی کا امتحان 2013 میں ہوا تھا، اس میں 12 ہزار امیدوار پاس ہو چکے تھے لیکن بعد میں اچانک سبھی کو ناکام کردیا گیا۔ حکومت بارہا رزلٹ جاری کرنے کا وعدہ کرتی رہی لیکن 10 سال گزر جانے کے باوجود اب تک رزلٹ شائع نہیں کیا گیا۔ مظاہرے میں شامل ایک امیدوار نے بتایا کہ 2013 کے امتحان میں ہم پاس ہو چکے تھے۔ میرٹ لسٹ میں ہمارا نام شامل تھا۔ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا اوپینین بھی ہمارے حق میں آیا تھا۔وزیرِ اعلا نتیش کمار کی جانب سے بھی ہمیں اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ رزلٹ جاری کیا جائے گا۔ اس کے بعد محکمۂ تعلیم بہار کے ڈائرکٹر نے 2019 میں پانچ فیصد کٹ آف مارکس کم کر کے رزلٹ جاری کرنے کا حکم بھی دیا تھا، اس کے باوجود بہار اسکول اکزامینیشن بورڈ نے اب تک رزلٹ جاری نہیں کیا ہے۔اس دوران ہم کئی بار پولیس کی لاٹھیاں بھی کھا چکے ہیں۔ مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ ہندی ٹی ای ٹی کا کٹ آف مارکس 50 فیصد کردیا گیا، جب کہ اردو ٹی ای ٹی کا کٹ آف مارکس 60 فیصد کیا گیا، کیا یہ انصاف ہے؟ انھوں نے کہا کہ رزلٹ کر کے پھر ناکام کرنا اب تک ملک کی تاریخ میں نہیں ہوا۔ یہ صرف اردو ٹی ای ٹی کے ساتھ ہوا ہے۔

ایک دوسرے امیدوار نے کہا کہ اردو بنگلہ ٹی ای ٹی امتحان پاس کرنے کے بعد امیدواروں کو پنچایت، بلاک اور ضلع سطح پر تقرری کے لیے ہم سے درخواستیں بھی موصول کرائی گئی تھیں۔ اس کی میرٹ لسٹ میں ہم لوگوں کے نام بھی شامل تھے، جس کے بعد ہمیں اسکول الاٹ کیے جانے تھے لیکن اسی دوران ہمیں اچانک فیل قرار دے دیا گیا۔اس میں ہماری کوئی غلطی نہیں ہونے کے باوجود 12 ہزار ٹی ای ٹی امیدوار 10 سال سے سڑکوں پر احتجاج، دھرنا اور مظاہرہ کررہے ہیں اور بے روزگار ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر امیدواروں کی نوکری کی عمر بھی ختم ہو رہی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ رزلٹ جلد جاری کردیا جائے۔اب ہمیں صرف وزیرِ اعلا نتیش کمار سے امید ہے کہ وہ ہمارا رزلٹ جاری کرا کے ہمیں جوائننگ لیٹر دلوائیں گے۔ (انقلاب۔دہلی)

ہندستانی ادب وثقافت سے متعلق عربی کتابوں کے اردو تراجم کی ضرورت ہے: پروفیسر علیم اشرف جائسی

قومی اردو کونسل کے صدر دفتر میں عربی پینل کی میٹنگ

نئی دہلی (15 ستمبر، پریس ریلیز)۔قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے صدر دفتر میں آج عربی پینل کی میٹنگ ہوئی جس کی صدارت پروفیسر سید علیم اشرف جائسی (شعبۂ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدرآباد) نے کی۔ میٹنگ کے آغاز میں کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر (اکیڈمک) ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا۔ صدارتی خطاب میں پروفیسر علیم اشرف جائسی نے کہا کہ ہندستان کی متعدد نامور شخصیات کا ذکر عربی کتابوں میں ملتا ہے، اگر ان کا اردو ترجمہ کیا جائے تو یہ نہایت مفید ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ کونسل کی جانب سے شائع ہونے والی عربی زبان وادب سے متعلق کتابیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں اور اس نوعیت کی مزید کتابیں شائع کی جانی چاہئیں تاکہ اردو کے ساتھ ساتھ عربی کے طلبہ واساتذہ بھی استفادہ کرسکیں۔ اس سے قبل قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد شمس اقبال نے افتتاحی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ عرب دنیا کے معروف فکشن نگاروں کے منتخب افسانوں کا اردو ترجمہ شائع ہونا چاہیے تاکہ اردو قارئین بھی عربی فکشن اور اس کے امتیازات سے واقف ہوسکیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ عربی زبان کی تاریخ قدیم ہے اور اس پر سنجیدگی سے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی مکمل تاریخ ہمارے سامنے آسکے۔ اس موقعے پر پروفیسر نعمان خان نے عربی زبان کی افادیت اور اس کی آفاقی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ عربی زبان کے اندر دنیا کی علمی، تہذیبی اور ادبی روایت کا قیمتی سرمایہ موجود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس علمی سرمایے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں تاکہ آنے والی نسلیں اس ورثے سے فیضیاب ہوں۔ ان کے علاوہ پروفیسر مشیر حسین صدیقی (آن لائن)، پروفیسر مسعود انور علوی (شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) پروفیسر محمد قطب الدین (سینٹر آف عربک اینڈ افریقن اسٹڈیز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی)، ڈاکٹر علی نوفل کے (شعبۂ عربی، کالی کٹ یونی ورسٹی، کالی کٹ، کیرالہ)، ڈاکٹر شمس کمال انجم (آن لائن، صدر شعبۂ عربی، بابا غلام شاہ بادشاہ یونی ورسٹی، راجوری، جموں اینڈ کشمیر)، ڈاکٹر سرور عالم (صدر شعبۂ عربی، پٹنہ یونی ورسٹی، پٹنہ) اور ڈاکٹر ہیفاء شاکری (شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے بھی میٹنگ میں اظہارِ خیال کیا اور مفید مشورے دیے۔ میٹنگ کے دوران ممبران نے اس پینل کے تحت جاری اور مکمل شدہ مختلف پروجیکٹس کی صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ان کے تعلق سے اہم فیصلے لیے گئے۔ اس موقعے پر کونسل سے ڈاکٹر مسرت (ریسرچ آفیسر، اکیڈمک)، نایاب حسن (ریسرچ اسسٹنٹ) اور ڈاکٹر شاداب شمیم (پروجیکٹ اسسٹنٹ) وغیرہ بھی موجود رہے۔

وہی کہانی، افسانے یا ناول مقبول ہوتے ہیں جو زندگی کے قریب ہوتے ہیں: پروفیسر اسلم جمشید پوری

پروفیسر اسلم جمشید پوری سیّد اقبال احمد سفیر ادب ایوارڈ 2025 ایوارڈ سے سرفراز

میرٹھ (12 ستمبر، پریس ریلیز)۔ بیشک ادب زندگی کا ترجمان ہوتا ہے اور وہی کہانی، افسانے یا ناول مقبول ہوتے ہیں جو زندگی کے قریب تر ہوں، جو عوام کو اپنی کہانی محسوس ہو، اپنے درد کا احساس ہو۔ یہاں تین کہانیاں پڑھی گئیں تینوں ہی کہانیاں عمدہ تھیں۔ان کہانیوں میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی کامیاب کہانی کی علامت ہوتی ہے۔ کہانی لکھنا تو فن ہے ہی لیکن اس کا پڑھنا، پڑھنے کا انداز، لہجے کا نشیب و فراز اور جسمانی حرکات وسکنات یہ سب بھی کسی فن سے کم نہیں۔ اگر پڑھنے کا انداز اچھا نہیں ہوگا تو کہانی کا اثر جاتا رہتا ہے۔ یہ الفاظ تھے صدر شعبۂ اردو کے جو بزمِ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ کے پریم چند سمینار ہال میں منعقد ادبی نشست کے دوران اپنی صدارتی تقریر میں ادا کررہے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ گورکھپور سے تشریف لائے ہمارے مہمان عبیداللہ چودھری کا شعبۂ اردو سے پرانا تعلق ہے۔ وہ پہلے بھی شعبے میں تشریف لا چکے ہیں۔ میں اپنی دوسری مہمان تبسم ناڈیکر کا بھی مشکور ہوں کہ وہ یہاں تشریف لائیں اور مجھے اپنی تنظیم کی جانب سے ایوارڈ سے نوازا۔

اس سے قبل پروگرام کا آغاز بی.اے آنرز کے طالبِ علم محمد ندیم نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ بعد ازاں فرحت اختر نے ہدیۂ نعت پیش کیا۔ پروگرام کی صدارت کے فرائض پروفیسر اسلم جمشید پوری نے انجام دیے۔ مہمانان کے بطور عبید اللہ چودھری [معروف اسکالر، گورکھپور] معروف ادیبہ تبسم ناڈیکر [ممبئی] طلعت سروہا [معروف شاعرہ، سہارنپور]، ڈاکٹر خان ذاکر [معروف شاعر، ممبئی] وارث وارثی [معروف شاعر، میرٹھ] اور معروف شاعرہ دانش غزل نے شرکت فرمائی۔ استقبالیہ کلمات ڈاکٹر ارشاد سیانوی، نظامت ڈاکٹر آصف علی اور شکریے کی رسم آفاق خاں نے انجام دی۔

اس موقعے پر اقبال ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی کی صدر تبسم ناڈیکر نے فکشن خدمات کے لیے پروفیسر اسلم جمشید پوری کو سیّد اقبال احمد سفیر ادب ایوارڈ 2025 سے نوازا۔

پروگرام دو اجلاس پر مشتمل رہا۔ پہلے اجلاس میں عبیداللہ چودھری نے 'قلم کار' ڈاکٹر شاداب علیم نے 'روشنی کا اندھیرا' اور ریسرچ اسکالر سیدہ مریم الٰہی نے 'ملازم' عنوان سے اپنی کہانیاں پیش کیں۔ تینوں ہی کہانیوں نے سامعین کو باندھے رکھا اور خوب داد وصول کی۔

دوسرا اجلاس شاعری کی نذر رہا جس میں عبیداللہ چودھری، تبسم ناڈیکر، طلعت سروہا، وارث وارثی، ڈاکٹر ذاکر خاں اور دانش غزل نے اپنی غزلیں پیش کر کے سامعین کو محظوظ کیا۔

اس موقعے پر ڈاکٹر فرح ناز، آفاق احمد خاں، بھارت بھوشن شرما، انل شرما، نزہت اختر سیدہ مریم الٰہی، کشش خان، طاہرہ پروین، محمد شمشاد اور کثیر تعداد میں طلبہ وطالبات موجود رہے۔

اردو اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے خصوصی اسکیم بنانے کا مطالبہ

یہ تجویز اردو کے فروغ میں سنگِ میل ثابت ہوسکتی ہے: ڈاکٹر سیّد احمد خاں

نئی دہلی (14 ستمبر)۔قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان ملک بھر میں اردو زبان وادب کی ترویج اور بقا کے لیے جو گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے وہ واقعی لائقِ تحسین ہیں۔ بالخصوص ڈاکٹر شمس اقبال کی قیادت میں کونسل نے محدود وسائل کے باوجود جو عملی اقدام کیے ہیں وہ نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ اب جب کہ آپ کو مکمل اختیارات بھی حاصل ہوچکے ہیں اور کمیٹی بھی تشکیل پا چکی ہے، امید ہے کہ کونسل مزید موثر اور نتیجہ خیز فیصلے کرسکے گی۔ ان خیالات کا اظہار اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کیا۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان (این سی پی یو ایل) کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال کو ایک مکتوب لکھا ہے جس میں دہلی کے پرائیویٹ اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے خصوصی اسکیم بنانے کے سلسلے میں تجویز پیش کی ہے۔ ان تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ دہلی کے بیشتر پرائیویٹ اسکول اپنی محدود گنجائش کے باوجود اردو زبان کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان اسکولوں کے اساتذہ نئی نسل کو اردو زبان سے جوڑنے میں کلیدی کردار ادا کررہے ہیں۔ چوں کہ کونسل پہلے ہی سے سمیناروں، ورکشاپس اور مراکز کے قیام کے لیے گرانٹ اِن ایڈ فراہم کرتی ہے، لہٰذا براہِ راست اردو اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے ایک خصوصی اسکیم بنانا زیادہ پائدار اور عملی نتیجہ دینے والا قدم ہوگا۔

ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے بتایا ہے کہ یہ اسکیم ابتدا میں دہلی کے منتخب پرائیویٹ اسکولوں میں دو اساتذہ تک محدود رکھی جاسکتی ہے اور پھر مرحلہ وار دیگر اسکولوں تک وسعت دی جاسکتی ہے۔ اگر اس سلسلے میں براہِ راست فیصلہ لینا آپ کے دائرۂ اختیار میں نہیں آتا تو مودبانہ گزارش ہے کہ اسے اپنی ایگزیکٹیو بورڈ کے اجلاس میں پیش کرکے ایک باقاعدہ اسکیم کے طور پر منظوری حاصل فرمائیں۔ ہماری یہ تجویز اردو کے فروغ، نئی نسل کی علمی وتہذیبی تربیت اور قومی ترقی میں ایک سنگِ میل ثابت ہوسکتی ہے۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ادبی ایوارڈ اور اقرأ تعلیمی ایوارڈ تفویض

گلبرگہ (یکم ستمبر، پریس ریلیز)۔ڈاکٹر اشفاق عمر کی اطلاع کے مطابق ماویٰ ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ احمد آباد گجرات اور ثمر فاؤنڈیشن مالیگاؤں مہاراشٹر کے زیرِ اہتمام اکسس والو پرائیویٹ لمیٹڈ احمد آباد کے اشتراک سے تفویضِ اعزازات کی تقریب ہیومن ایج گلشنِ اطفال اردو اسکول گلبرگہ میں 12 اگست کو ڈاکٹر وہاب عندلیب کی سرپرستی اور پروفیسر حمید سہروردی کی صدارت میں منعقد کی گئی۔ اس تقریب کو مخاطب کرتے ہوئے ڈاکٹر حافظ ولی احمد خان (صدر ماویٰ ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ احمد آباد) نے کہا کہ وہ اردو کے فروغ کے لیے عرصۂ دراز سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا ان کے ادارے کی جانب سے اردو کے معروف قلم کاروں اور اساتذہ کو ان کی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

ڈاکٹر اشفاق عمر (صدر ثمر فاؤنڈیشن مالیگاؤں مہاراشٹر) نے اپنی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر ولی احمد خان اور ان کے ادارے کی جانب سے ملک کے سات شہروں میں ادبی اور تدریسی خدمات پر اعزازات تفویض کیے گئے ہیں۔ گلبرگہ اس کڑی کا آٹھواں شہر ہے۔ انھوں نے کہا کہ امسال اعزازات کے لیے گلبرگہ کے پانچ نمایاں خدمات انجام دینے والے اردو قلم کاروں کا انتخاب کیا گیا ہے، وہیں گلبرگہ کے سترہ اردو اساتذہ کو بھی منتخب کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر پیرزادہ فہیم الدین (رکن سنڈیکیٹ گلبرگہ یونی ورسٹی گلبرگہ) نے اپنی تقریر میں کہا کہ اعزازات سے قلم کاروں اور اساتذہ کو حوصلہ ملتا ہے اور وہ نئے عزم واستقلال کے ساتھ اپنے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیتے ہیں۔

پروفیسر حمید سہروردی (سابق صدر شعبہ اردو و فارسی گلبرگہ یونی ورسٹی گلبرگہ) نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ڈاکٹر ولی احمد خان اور ڈاکٹر اشفاق عمر نیک نیتی سے اردو زبان وادب کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے گلبرگہ کے قابلِ قدر قلم کاروں اور لائقِ تعظیم اردو اساتذہ کے انتخاب اور ان اعزازات سے نوازے جانے کو قابلِ ستائش عمل قرار دیا۔

اس موقعے پر ڈاکٹر اشفاق عمر کی گلبرگہ کے پانچ قلم کاروں اور سترہ مثالی اساتذہ کے سوانحی کوائف پر مشتمل مرتبہ کتاب 'آئینۂ حیات' کا اجرا ڈاکٹر وہاب عندلیب کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ مشہور اردو صحافی ڈاکٹر مختار احمد فردین حیدرآباد کی کتاب 'پرورشِ لوح وقلم' کا اجرا پروفیسر حمید سہروردی نے انجام دیا۔ روزنامہ 'تاثیر' پٹنہ کا اجرا ڈاکٹر پیرزادہ فہیم الدین کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ شہ نشین پر ڈاکٹر مہر افروز کاٹھیاواڑی دھارواڑ، ڈاکٹر محمد عبدالرافع ناندیڑ، سیّد غازی الدین حیدرآباد، عارف انصاری پٹنہ، ڈاکٹر شمیم سلطانہ، محمد معین الدین، محمد اطہر بابا اور محمد یوسف رشادی تشریف فرما تھے۔ تقریب کا آغاز ڈاکٹر مولانا محمد مسیح اللہ رشادی کی قرآت کلام پاک سے ہوا۔ محمد وصی اللہ صدر مدرس نے نعت پیش کی۔ نظامت کے فرائض محمد جاوید اقبال صدیقی نے بہ حسن وخوبی انجام دیے۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نے خیر مقدمی کلمات ادا کیے اور اظہارِ تشکر کا فریضہ انجام دیا۔

اس تقریب تفویضِ اعزازات میں اسباق قومی ایوارڈ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی گلبرگہ کے چار قلم کاروں منظور وقار، ڈاکٹر کوثر پروین، ڈاکٹر انیس صدیقی اور صادق کرمانی کو تفویض کیا گیا۔ گذشتہ سال کے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ایوارڈ سے ڈاکٹر مہر افروز کاٹھیاواڑی اور ڈاکٹر غضنفر اقبال کو سرفراز کیا گیا۔ اقرأ تعلیمی ایوارڈ پرائمری زمرے میں رضیہ پروین، آمنہ سلطانہ، شہناز اختر، عرشیہ ترنم اور ہائی اسکول سطح پر واجد اختر صدیقی، سیّد مختار احمد، محمد حسن محمود، اسما عالم، اعجاز علی فاروقی، ڈاکٹر محمد معین الدین اور عارفہ بیگم جونیئر کالج زمرے میں حافظ شکیل احمد، اقبال احمد، ڈاکٹر محمد مسیح اللہ رشادی، نوید انجم شاہد، ناصر عظیم اور ڈاکٹر سید عتیق اجمل وزیر کو تفویض کیے گئے۔ تمام اعزاز یافتگان نے ڈاکٹر ولی احمد خان اور ڈاکٹر اشفاق عمر کا شکریہ ادا کیا۔

بہار کے سرکاری دفاتر میں
اردو کا استعمال وقت کی اہم ضرورت

دربھنگہ (15 ستمبر)۔ضلع اردو زبان سیل، دربھنگہ کلکٹریٹ کے مترجم ڈاکٹر جسیم الدین نے کہا ہے کہ حکومتِ بہار نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے کر اردو داں طبقے کو ان کا حق عطا کیا ہے۔ اس فیصلے کے تحت ریاست کے تمام 38 اضلاع کے سب ڈویژن، بلاک اور سرکل دفاتر میں اردو مترجم اور عملہ تعینات ہے تاکہ عوام اپنی زبان میں سہولت حاصل کرسکیں۔ انھوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اتنی بڑی رعایت کے باوجود اردو داں عوام سرکاری دفاتر میں اپنی درخواستیں اردو زبان میں نہیں دیتے۔ اگر عوام اپنی زبان کے استعمال سے ہی گریز کریں گے تو اردو کی بقا اور فروغ کیسے ممکن ہوگا؟ ڈاکٹر جسیم الدین نے اردو داں شہریوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی درخواستیں لازمی طور پر اردو میں دیں۔ اس سے نہ صرف دفاتر میں اردو کے کام کاج میں اضافہ ہوگا بلکہ مترجمین اور اردو عملہ بھی فعال ہوگا اور سرکاری ریکارڈ میں اردو کو زیادہ جگہ ملے گی۔ انھوں نے کہا کہ زبان صرف جذبات کا اظہار نہیں بلکہ شناخت اور حق کی علامت ہے۔ اردو میں درخواست دینا محض ایک رسم نہیں بلکہ اپنی تہذیبی وراثت اور آئینی حق کا استعمال بھی ہے۔ حکومتِ بہار اور اردو ڈائرکٹوریٹ، ڈائرکٹر ایس ایم پرویز عالم کی قیادت میں اردو کے عملی نفاذ کے لیے کوشاں ہیں، لیکن زبان کی ترقی صرف سرکاری اقدام سے ممکن نہیں بلکہ عوامی دل چسپی بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر جسیم الدین نے زور دیا کہ والدین نئی نسل کو اردو تعلیم سے جوڑیں اور انھیں اردو پڑھنے اور لکھنے پر آمادہ کریں تاکہ اردو صرف کتابوں تک محدود نہ ہوجائے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو ہماری تہذیب اور ثقافت کی آئینہ دار ہے اور اس کی بقا ہماری تہذیبی بقا کے مترادف ہے۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اُردو زبان کے فروغ کے لیے
اساتذہ کو بھی اہمیت دی جائے

گوپال گنج (یکم ستمبر)۔قومی اساتذہ تنظیم گوپال گنج کی طرف سے نبی اللہ احسن کی صدارت میں ایک اہم نشست منعقد کی گئی جس میں اردو زبان وادب کے اہم مسائل پر گفت وشنید ہوئی۔ اردو کے فروغ کے لیے مفید اقدام اور اردو اساتذہ کے درس وتدریس میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے کی کوشش کی سمت میں کام کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔ محمد علی ظفر میڈیا انچارج قومی اساتذہ تنظیم گوپال گنج نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ نشست کا آغاز مولانا اشرف الاسلام ندوی کے تلاوتِ کلام اللہ سے ہوا۔ ابتدائی خطاب میں محمد علی ظفر نے کہا کہ اردو زبان وادب کی تحریک کسی نہ کسی شکل میں اس ملک کے اندر آزادی سے پہلے سے چلتی آرہی ہے اور دیش کی آزادی میں بھی اس زبان کا اہم رول رہا ہے، آج اس زبان کو کلّی طور پر نظرانداز کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو افسوسناک ہے، حالاں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کیوں کہ کوئی بھی شخص اگر 75 فیصد ہندی زبان کا استعمال کرنے والا ہی کیوں نہ ہو وہ بھی روزمرہ کی زبان میں اردو زبان کو ہی اہمیت دیتا ہے۔

اس موقعے پر وجیہ الحق نے یہ شکایت کرتے ہوئے کہا کہ والدین خود اپنی اولادوں کے سلسلے میں فکرمند نہیں کہ ان کے بچے کیا پڑھ رہے ہیں اور کیا نہیں، بلکہ والدین صرف اس بات سے خوش ہیں کہ ہمارے بچے اسکول کو جارہے ہیں جب کہ یہ کافی نہیں ہے۔ محمد عبیداللہ نے کہا کہ پہلے ہمیں اساتذہ کی پریشانیوں کو سمجھنا ہوگا تب جاکر اساتذہ اردو زبان کی درس وتدریس میں مددگار ثابت ہوں گے۔ وہیں صبر عالم (ڈائرکٹر گرین گلوبل اسکول) نے کہا کہ والدین کو چاہیے کہ اولادوں کے سلسلے میں فکرمند رہیں اور دوسرے یہ کہ اساتذہ کو اردو تحریک سے جوڑیں اور پھر اساتذہ کو اردو زبان کی درس وتدریس کے لیے فکرمند کریں تاکہ وہ ہمارے بچوں کو اردو زبان وادب کی طرف متوجہ کرسکیں۔ محمد شعیب نے کہا کہ اردو اساتذہ زیادہ تر ان اسکولوں میں ہیں جہاں پر اردو بچے بہت کم ہیں اور جو ہیں ان کے پاس کتاب نہیں ہے جس کی وجہ سے اساتذہ کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس مسئلے پر بھی ہمیں فکرمند ہونا چاہیے اور کوشش کرکے کتابوں اور اردو اساتذہ کے مسائل کو حل کرنے ہوں گے تب جاکر اردو کی تعلیم بہتر طریقے ...(بقیہ صفحہ 6 پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : نثرِ اختر (مضامینِ اختر شیرانی)
تحقیق وترتیب : ڈاکٹر یونس حسنی
اشاعت : 2024
ضخامت : 320 صفحات
قیمت : 1200 روپے
ملنے کا پتا : رنگ ادب پبلی کیشنز، کراچی
تبصرہ نگار : پروفیسر شاہد کمال

E-mail: shhdkamal@yahoo.com
Mob. 923003739850

رومانوی شاعری کا ایک بڑا نام اختر شیرانی ہے۔ جدید اردو شاعری میں آپ کا نام جمالیاتی حسنِ بیان کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ عہدِ جدید میں جس عظیم محقق نے اس شاعر کے کلام کو یکجا کر کے تاریخ میں محفوظ کیا وہ ڈاکٹر یونس حسنی ہیں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اختر شیرانی صرف ایک شاعر ہیں لیکن یہ بات کم لوگوں کے علم میں ہے کہ وہ ایک باریک بیں نثر نگار بھی تھے اور عہدِ رواں میں اختر شیرانی کے قلم کے اس پہلو کا تعارف بھی ڈاکٹر یونس حسنی صاحب ہی کا کارنامہ ہے۔ جب 2010 میں 'نگارشاتِ اختر' کے نام سے اختر شیرانی کے دس مضامین کا ایک مجموعہ ڈاکٹر یونس حسنی نے مرتب کیا جسے ڈاکٹر رضا کاظمی کے مقدمے کے ساتھ اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس نے شائع کیا۔

ہمارے یہاں قباحت یہ ہے کہ عوام الناس کے ذہنوں میں اردو ادب سے مراد شاعری ہی لی جاتی ہے جو کہ قبولیت کے تعلق سے دیگر تمام اصنافِ ادب سے بہت آگے ہے۔ پھر شاعری کی غنائیت کی خصوصیت کے سبب اسے گائیکی کا سہارا بھی مل جاتا ہے جو اس صنف کو عام سننے والے کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ جب کہ نثر نگاری کے شعبے میں تخلیقی نثر کے پڑھنے والے تو پھر بھی مل جاتے ہیں لیکن مضمون نگاری کو قاری مشکل سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی تخلیق کار کسی شعبے میں اپنی شناخت مستحکم کر لے تو اُس کے دیگر تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام اس کی شہرت کی گونج میں دب کر رہ جاتے ہیں۔ یہی معاملہ اختر شیرانی کے ساتھ بھی ہوا کہ اُن کی شاعری کا غلغلہ اتنا زیادہ رہا ہے کہ اُس میں اُن کی نثر نگاری کے نمونے قارئین کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ وہ تو بھلا ہو ڈاکٹر یونس حسنی کا جن کی مستقل مزاجی نے اختر شیرانی کے مضامین پر نگاہ کی اور انھیں اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر اسے 'نثرِ اختر' کے نام سے قارئین کے لیے پیش کیا۔ یہ کتاب 320 صفحات پر مشتمل ہے جس میں اختر شیرانی کے 35 مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کو موضوعات کے اعتبار سے چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب جس میں 18 مضامین ہیں، عالمِ ادب کے نام سے موسوم ہے۔ اس باب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ادب کے تعلق سے تحریریں جمع کی گئی ہیں۔ ان مضامین کی خاص بات یہ ہے کہ تحریریں صرف اردو شاعروں تک محدود نہیں بلکہ مختلف زبانوں کے ادبی محرکات کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔ پہلے باب کے دوسرے مضمون میں اختر شیرانی نے افغان شاعرہ مستور کو اردو کے قارئین سے متعارف کرایا ہے۔ یہ ایک عمدہ مضمون ہے جس میں اختر شیرانی کی تخلیقی کاٹ کی جھلکیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔

> ''اس شہریار اور عشق پرست نازنین کا شاعرانہ نام 'مستور' ہے جو اس کے غرورِ نسائیت کی پردہ دری کے لیے کافی ہے۔''

> ''لیلائے شب کی مشکیں زلف لہرائے کمر تک آ پہنچی ہے۔''

> ''دنیا میں کون سی طاقت ہے جو عورت کی آنسو بھری آنکھوں کو برداشت کر سکتی ہے۔''

اور اس نوع کے بہت سے فقرے اس مضمون کی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث ہیں جو نا صرف اس شاعر کو ہمارے قاری سے متعارف کراتے ہیں بلکہ اس کی ذہن رسا میں تفہیم کے نئے دریچے وا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پروفیسر براؤن کے عنوان سے موجود مضمون میں اپنے ممدوح کی فارسی ادب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''فارسی ادبیات کے لیے کوئی بڑے سے بڑا نا قابلِ تلافی نقصان اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا، جو پروفیسر براؤن کی حسرتناک موت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔''

اس جملے میں 'حسرتناک' کے لفظ نے جس عمدگی کے ساتھ انسانی نفسیات کا احاطہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے بعد 'چند گھنٹے سعدی مرحوم کے ساتھ' ایرانی شاعر عارف کی آپ بیتی، ٹیگور ایران میں، قدیم یونان کا ملک شعرا ہومر، خیام اپنے خدا کے ساتھ وغیرہ وغیرہ وقیع تحریریں ہیں جو ان شخصیات کو قابلِ فہم بناتی ہیں۔

اسی باب میں 'سرسیّد کی ایک معروف تالیف' کے عنوان سے سرسیّد کے اس مختصر رسالے کا تذکرہ ہے جو بچوں کی فارسی تعلیم کی غرض سے جاری کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ نہ صرف خود سرسید کی فارسی نگاری کا نمونہ تھا بلکہ اس تعلیمی ورثے کی گواہی بھی تھا جو سرسیّد کے زمانے میں عربی، فارسی میں موجود تھا، لیکن سرسید کے دوسرے کارناموں کی گونج میں کھو کر رہ گیا۔ پہلے باب کی ایک اور خوبی مشہور جرمن ادیب ولنگان گٹے کی ایک رومانوی تحریر کے فارسی ترجمے کا اردو ترجمہ 'عشق کی پہلی غلطی ہے' جو ایرانی ادیب آقائے محمد معنان زادہ کے ذریعے فارسی زبان میں منتقل ہوا۔ اس باب کا آخری مضمون تاریخی نوعیت کی تحریر ہے جس کا مرکزی کردار خان شہید ہے جو سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا بیٹا تھا اور جواں عمری میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا، اس کی بہادری اور جواں مردی کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ اس کا نام شیر شاہ سوری اور ٹیپو سلطان کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ رہی بات اس کے علم وفہم کی تو اس سلسلے میں یہ بات تاریخ کے اوراق پر موجود ہے کہ اس نے اپنے زمانے کے دو بڑے قلمکار امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی کی قدردانی میں کوئی کسر نا اٹھا رکھی۔ جس زمانے میں یہ شہزادہ والیِ ملتان تھا تو اس نے دو بار شیخ سعدی کو ملتان آنے کی دعوت دی اور اس سلسلے میں ان کی آمد ورفت کے سرکاری انتظامات بھی کرائے لیکن شیخ کی علالت کے سبب اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی لیکن آج شیخ سعدی کی جو قلمی بیاض ہندستان میں موجود ہے وہ شیخ سعدی نے خان شہید کو بھجوائی تھی۔ میر تقی میر نے اپنے دیوان 'غرۃ الکمال' کے دیباچے میں اس کی سرگزشت کا مختصر احوال بیان کیا ہے۔ اس جواں سال شہزادے کی موت پر امیر حسن دہلوی نے نثر میں اور امیر خسرو نے نظم میں مرثیے تحریر کیے، جنھیں اختر شیرانی نے اس مضمون میں نقل کیا ہے۔ غرض یہ کہ یہ مضمون تاریخ کے بہت سے گوشوں سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ خیالات و افکار کے نام سے مختلف موضوعات پر چار مضامین شامل ہیں، ان مضامین میں 'دنیا کے مختلف حصوں میں خواتین کی حالتِ زار' ایک منفرد مضمون ہے جس میں امریکا، جاپان اور چین کی خواتین کے معاشرتی ترقی میں کردار اور مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

کتاب کے تیسرے باب کا عنوان 'اوراقِ پارینہ' ہے جس میں موجود تمام دس مضامین ان مقامات اور موضوعات کے تعلق سے لکھے گئے ہیں جو اس زمانے میں لوگوں کے لیے محض یاد بن کے رہ گئے تھے اور ان میں بیشتر آج بھی قابلِ گفتگو نہیں سمجھے جاتے۔ ان مضامین میں ایوان مدائن۔ ایک غرق شدہ زمین۔ سقوط کوت العمارہ اور جدید فلسفۂ تاریخ نہایت دل چسپ ہیں۔ کتاب کا چوتھا باب شکاریات سے متعلق تین مضامین پر مشتمل ہے۔ بادی النظر میں تو یہ محض شکار کے قصے ہیں لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شکاری اور شکار کی نفسیاتی کیفیات کے مختلف مناظر ان میں جلوہ آرائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ خاص طور پر جہانگیر کے آخری شکار کے عنوان سے اختر شیرانی نے جو اثر انگیز منظرکشی کی ہے وہ ان کے شعری اسلوب سے قریب تر ہے۔ مختصر یہ کہ اختر شیرانی کی یہ نثری تحریریں ان کا ایک پوشیدہ کارنامہ ہیں جن میں مغز بھی ہے، جمالیات بھی، کیفیات بھی اور علم بھی۔ ڈاکٹر یونس حسنی کا ادب کے قارئین پر یہ احسان ہے کہ انھوں نے نہایت عرق ریزی اور تلاش و جستجو کے بعد اختر شیرانی کے ان مضامین کو مرتب کیا ہے۔ اور یقیناً یہ تحریریں ان کا نثری مقام متعین کرنے میں معاون ثابت ہوں گی اور وہ لوگ جو اختر شیرانی کو صرف اور صرف ان کی رومانوی شاعری کے تعلق سے جانتے ہیں، ان کے نثری اسلوب کے بھی معترف ہوں گے اور 'نثرِ اختر' سے ایک نیا اختر شیرانی طلوع ہوگا جس کی روشنی اردو نثر کے اوراق کو بھی منور کرے گی۔

☆☆☆

اُردو زبان کے فروغ کے لیے اساتذہ کو بھی اہمیت دی جائے

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

سے ہوسکے گی۔ اشرف الاسلام ندوی صاحب نے کہا کہ اس میٹنگ سے مجھے وہ شعر یاد آ گیا:

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

آخر میں پروگرام کے صدر نبی اللہ احسن نے کہا کہ تحریک کو اور بھی فعال کرنے کی ضرورت ہے جس میں ہمیں ہر بلاکوں میں اپنے نمائندے بنانے ہوں گے اور قومی اساتذہ تنظیم کے ممبران سے ملنا ہوگا، ان کے مسائل پر گفتگو کرنی ہوگی اور ان مسائل کو حل کرنے ہوں گے تب جا کر یہ تحریک اور مضبوطی کے ساتھ جملہ امور کو بخوبی انجام دے سکے گی۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

⚜⚜⚜⚜⚜

سیر المنازل
(مرزا سنگین بیگ)
شریف حسین قاسمی
قیمت: 600 روپے

میرا جنون اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700 روپے

بھارت کی مشترکہ تہذیبی اقدار اور ریاستِ ہریانہ (بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

میں واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ سیّد عابد حسین کا خیال ہے:

''تہذیب نام ہے اقدار کے ہم آہنگ شعور کا جو ایک انسانی جماعت رکھتی ہے، جسے افراد اپنے جذبات و رجحانات اور برتاؤ میں ظاہر کرتے ہیں''۔ (قومی تہذیب کا مسئلہ)

سماج کا تصور افراد کے حرکت و عمل اور کلچر سے عبارت ہے۔ جب متعدد سماج باہمی ربط اور علاقہ رکھتے ہیں تو فطری طور پر مشترکہ تہذیبیں وجود میں آتی ہیں کیوں کہ افراد سے اقوام کی تشکیل ہوتی ہے۔ فرد کے بعد بغیر قوم کا تصور ممکن نہیں۔ تہذیب ایک متحرک اور تغیر پذیر عمل ہے جو Prizm کے مانند ہے اور زبانیں اسے تاریخ میں محفوظ رکھتی ہیں۔ آرٹ، موسیقی، فنون، شعر و ادب اور زبانیں تہذیب کا ذریعۂ اظہار ہوتی ہیں۔ بولیاں، تہذیبوں کا نمائندہ مثبت تصور رکھتی ہیں۔ جب بولیاں انتشار سے اتحاد کا سفر طے کر کے زبان کی مکمل شکل اختیار کر لیتی ہیں تو تہذیبی تمدن کی شکل میں معاشرے کی تکمیل کرتی ہیں جو مشترکہ تہذیب کی راہیں ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ہندستانی تہذیب و تمدن کی بے شمار مثالیں فنِ تعمیر، فنونِ لطیفہ اور شعر و ادب سے عبارت ہیں۔ قدیم ہندستان کے افکار، ذہنی نشو و نما اور نظریات کو سمجھنے کے لیے سنسکرت کو کنجی تصور کرنا چاہیے، اسی طرح عہدِ وسطیٰ کی کنجی فارسی زبان ہے۔ اس حوالے سے تہذیب اضافیت یعنی Cultural Relativism کا نظریہ زیادہ صحت مند اور جامع نظر آتا ہے۔ (آلِ احمد سرور)

زبانیں عموماً معدوم ہوجاتی ہیں لیکن تہذیبوں کے آثار اور باقیات ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ ہر ملک و مذہب کی اپنی تہذیب ہوتی ہے اور ہر زبان کسی نہ کسی خطے سے لسانی اور تہذیبی طور پر وابستہ ہوتی ہے۔

حکومتیں اور سلطنتیں قصبوں اور دیہی علاقوں میں قائم نہیں ہوتیں، ان کا قیام شہروں میں عمل پذیر ہوتا ہے جہاں بولیاں، قصبوں اور دیہی علاقوں میں پروان چڑھتی ہیں۔ اسی لیے شہروں کو دیہی علاقوں پر ہمیشہ سبقت حاصل رہی لیکن تہذیبوں کا منبع و ماخذ دیہی علاقے اور قصبات ہوتے ہیں۔ ہندستان میں مشترکہ تہذیبوں کی لسانی ہم آہنگی کے زیرِ اثر اردو ہندی کا وجود عمل میں آیا، یہ مفاہمہ مقامی اور بین الاقوامی تہذیبوں کے مابین قائم ہوا ہے جو تہذیبوں کی باہمی یگانگت سے گہری مطابقت رکھتا ہے۔ ٹکسالی کے دو روپ تسلیم کیے جاتے ہیں: برج بھاشا اور کھڑی بولی۔ برج کا Pattern ہندی اور اردو کھڑی بولی سے وابستہ رہی۔

تہذیب دراصل اقدار کے ہم آہنگ شعور اور انسانی جماعتوں اور افراد کے باہمی ربط، یگانگت اور جذبے سے ظاہر ہوتی ہے۔ زبان از خود لفظوں کی تہذیب کا مجموعہ ہے۔

ہندستانی گنگا جمنی تہذیب کی اہم خصوصیت وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا حسین امتزاج والتباس ہے۔

صدیوں تک ہندو اور مسلمانوں کے ادبی ذوق میں یکسانیت رہی۔ دونوں یکساں طور پر فارسی اور سنسکرت ادبیات کا مطالعہ کرتے تھے۔ دونوں کی تعلیمی درس گاہیں بھی ایک تھی۔ آنند رام مخلص نے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم اسلامی مکتب میں حاصل کی تو عارف سبحانی درویش مندر میں پوجا کرتے تھے۔ ولبھا چاریہ، رامانج اور شنکرا چاریہ نے بے تعصبی، یک جہتی اور یگانگت کی تعلیم دی۔ صوفیہ ہندوؤں کو اپنا مرید بھی کر لیا کرتے تھے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں ویدوں کو الہامی کتاب اور ہندوؤں کو اہلِ کتاب تصور کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز اور دیگر صوفیہ کرشن کو ولی تصور کرتے تھے۔ حسرت موہانی نے کرشن پر غزل کہی اور اپنا بیشتر وقت متھرا میں گزارا۔ غالب اپنے ہندو شاگردوں اور خصوصاً ہر گوپال تفتہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اقبال نے رام پر شاہکار نظم کہی اور امامِ ہند کا درجہ دیا۔ جوش ملیح آبادی نے گنگا کے گھاٹ پر بہترین نظم لکھی۔ چکبست نے رامائن کا کچھ حصہ منظوم انداز میں پیش کیا۔

چندر بھان برہمن سے لے کر نظیر اکبرآبادی، چکبست، فراق گورکھپوری تک اردو شاعری کی تاریخ دہلی اور لکھنؤ دبستانوں سے تعبیر ہے۔ فنِ تعمیر کی بے شمار مثالیں ہندستانی مشترکہ تہذیب کا نمونہ پیش کرتی ہیں جو تخلیقی بصیرت اور بصارت سے تعبیر ہیں۔ مثلاً تاج محل کے موضوع پر اردو شعرا کی تخلیقات کو یکجا کر کے افتخار زماں نے 'اردو شاعری میں تاج محل' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

نظیر ہر مذہب و ملّت اور ہر طبقے کی معاشرت سے بخوبی واقف تھے۔ ہندستانی رسم و رواج، میلے ٹھیلوں کی رنگ رلیاں اور تاریخ و ثقافت، تہذیب و تمدن کی ترتیب و تدوین کے نقطۂ نظر سے ان کا کلام بہت اہم ہے۔ یکسانیت، بے تعصبی، جذبات کا توازن، نظیر کے کلام کی اہم خصوصیات ہیں۔ ایک مصرعے میں مندر کا ذکر ہے تو دوسرے مصرعے میں مسجد کا تذکرہ ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی کو وہ غیر ملکی زبانیں تصور کرتے تھے۔ نظیر نے دو لاکھ ہندی الفاظ استعمال کیے۔ ہولی پر نظیر کی آٹھ نظموں کے علاوہ دیوالی، راکھی اور بلدیو جی پر اہم نظمیں ہیں۔ روحانی اشتراک کے تخلیقی عمل سے ہندستانی مشترکہ تہذیب کو فروغ حاصل ہوا۔ نظم 'بلدیو جی' میں وحدت اور کثرت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ چند اشعار مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

ہے کہیں رام اور کہیں لکشمن — کہیں کچھ کچھ ہے اور کہیں راون
رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے — زور بلدیو جی کا میلہ ہے

گھنشیام مراری، بنواری، گردھانی، سندر شیام برن
اب آگے بات جنم کی ہے جے بولو کشن کنھیا کی

اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دِوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دِوالی کا

امیر خسرو ہندوی، گرونانک پنجابی اور نام دیو مرہٹی کے شاعر تھے۔ کبیر، سور، تلسی اور میرا نے دیسی بولیوں میں کاویہ کہے۔

اردو کا قدیم نام ہندی اور ہندوی ہے۔ بہمنی دور کے شاہی دفتروں میں سرکاری زبان ہندوی تھی۔

کبیر نے اپنے نام کے ساتھ 'داس' کر لیا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنا ہندوی تخلص 'الکھ داس' اختیار کیا۔ اردوے قدیم کو دکنی کہا گیا۔ قریشی بیدری نے پہلی بار 1614 میں لفظ 'دکنی' استعمال کیا۔ ابراہیم عادل شاہ کا تخلص 'جگت گرو' تھا۔

'بکٹ کہانی' کے مصنف افضل پانی پتی کو جب ایک ہندو لڑکی سے عشق ہوا تو انھوں نے اس کے کہنے پر داڑھی منڈوا کر مندر میں پجاری بن گئے اور اپنا نام بدل کر گوپال رکھ لیا۔ اکبر نے جودھا بائی سے شادی کی، جہانگیر کی ماں ہندو تھی۔ اردو شاعری کی اصناف وہی ہیں جو برِّ عظیم میں بھجن، گیت اور دوہوں سے چلی آرہی ہیں۔

غزل گائیکی کی طرز ہندستانی بھجن سے ماخوذ ہے۔ گجری ادب ہندوی روایت کی تجدید ہے۔ شاہ بہاء الدین باجن گجری کے معروف شاعر تھے۔

اردو کا پہلا ڈراما امانت کی 'اندر سبھا'، اردو کی پہلی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' ہے۔ داستانوں اور مثنویوں کے بیشتر کردار ہندستانی ہیں۔ عبدالرحیم خانِ خاناں فارسی زبان کے بہت بڑے عالم تھے۔ اکبر نے برج بھاشا میں دوہے کہے۔ داراشکوہ سنسکرت کا ماہر تھا۔ اس نے اُپنشد کا فارسی میں ترجمہ کیا کیوں کہ فارسی اور سنسکرت ہم اصل یعنی Sister Languages ہیں۔

ہندستانی تہذیب میں شاعری Oral Tradition یعنی زبانی روایت کا بہت قدیم تصور ہے جو مختلف تہذیبوں کی پہچان ہے۔ اس کے تحت دوہے، مجرے، قوالیاں، نوحے، گیت، نغمے، لوریاں، دوبیتیاں، کہہ مکرنیاں، ملہار، چہار بیت، لوک گیت، سہرے اور رخصتی عوام و خواص میں بہت مقبول ہیں۔

'گائتری منتر' کا اردو منظوم ترجمہ علامہ اقبال اور دیگر شعرا نے کیا لیکن تلوک چند محروم کا ترجمہ بہت مقبول ہوا، مثلاً:

جس نے ہمیں پیدا کیا اور پرورش کرتا ہے
جس سے ہے قائم زندگی دکھ درد کو ہرتا ہے
جس کا جلال برتری ہے کو بہ کو جلوہ فشاں
عالم کے ذرّے ذرّے میں راحت رساں آرام جاں
کرتے ہیں اس کو دھیان ہم اور مانگتے ہیں یہ دعا
یارب ہماری عقل کو نیکی کے رستے پہ چلا

پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے 'دل کی گیتا' کے عنوان سے ایک کتاب مرتّب کی تھی جو نصاب کا حصہ رہی۔ برسوں تک رام لیلا کے مکالمے اسٹیج پر اردو منظوم انداز میں ہوتے تھے۔ دوارکا پرشاد افق دہلوی نے رامائن کا کچھ حصہ مکالموں کی شکل میں پیش کیا تھا۔ کلدیپ جوشی کا مضمون 'رامائن اور اردو' میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ چکبست لکھنوی کی نظم 'رامائن کا ایک سین' بہت مقبول ہوئی:

ہمراہ اپنے بن کو میرے ناتھ لے چلو
ریکھا تمھارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو
نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا
ٹوٹا تمھارا ساتھ تو جی ٹوٹ جائے گا

'ترانۂ ہندی'، 'ترانۂ بیداری' اقبال کی مشہور نظمیں ہیں۔ نظم کا ایک شعر ملاحظہ کریں:

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

تقسیمِ ملک سے قبل ہندستان کی باون ریاستیں، ان ریاستوں اور مختلف تہذیبوں کے افراد نے یکجہتی کے ساتھ فرنگیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو ملک ہمیشہ کے لیے خود مختار اور آزاد ہو گیا۔ ہندستان کی مشترکہ تہذیب اور گنگا جمنی اقدار کی ارتقا اور فروغ کے لیے اردو صحافت نے بھی اہم رول ادا کیا۔ ان اخبارات میں شیو برت لال کا رسالہ 'زمانہ' کانپور، دینا ناتھ کا ہفت روزہ 'انڈیا'، دوارکا پرشاد کا ہفت روزہ 'ہند'، کشن چند کا 'پرتاپ'، خوشحال چند کا 'ملاپ'، لالہ شنکر کا 'کانگریس'، لالہ لاجپت رائے کا 'بندے ماترم' کے علاوہ کلدیپ نیّر، جمنا داس اختر، کلدیپ جوشی، موہن چراغی اور جی ڈی چندن کے نام اہم ہیں۔

ہندستان کی مشترکہ تہذیب جو مختلف اقدار کی ترجمان، تمدن کی علمبردار، علم و دانش، آرٹ و موسیقی، متصوفانہ علم و فضل کا بیان، صوفیہ کی تعلیمات و ملفوظات کا تذکرہ، قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں، تاریخ کے تغیر و تبدل، خوں ریز و خونچکاں واقعات، جنگ و جدل کے واقعات، نظریاتی اختلافات، باہمی یگانگت، بیرونی ممالک کے عوام و خواص کی آمد و رفت، نئی زبانوں کی تشکیل و تخلیق، عوامی بولیاں، کثرت میں وحدت کا بیان، سیاسی، ادبی شخصیات، دانشوروں، مبلّغوں اور عمائدین کا باہمی ربط، معیشت اور تاریخی واقعات کا تذکرہ، لوک گیت، گنگا جمنی تہذیب اور ہندستانی معاشرے کی منفرد مثال ہیں۔ ہندستان کی مشترکہ تہذیب عالمی سطح پر مشرق و مغرب اور شمالی و جنوب کا منفرد اور حسین امتزاج کا نمونہ پیش کرتی ہے۔

پروفیسر ضیاء الرحمٰن صدیقی
شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ–202002، یوپی
E-mail: zia_musafe@yahoo.co.in

بھارت کی مشترکہ تہذیبی اقدار اور ریاستِ ہریانہ

ضیاء الرحمٰن صدیقی

ہریانہ دہلی سے متصل بھارت کی ایک اہم اور تاریخی ریاست ہے۔عہدِعتیق سے یہ علاقہ اپنی تہذیب وثقافت،تاریخ وتمدن اورصنعت وحرفت کے لیے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اس ریاست میں وادیِ سندھ کی تہذیب کے متعدد مقامات اور باقیات موجود ہیں۔اس خطے کی تاریخ گہوارۂ علم وفن اور ثقافت کا مرکز ومحور ہوا کرتا تھا۔

عہدِ برطانیہ میں ہریانہ صوبۂ پنجاب کا ایک ناگزیر حصہ ہوا کرتا تھا لیکن ملک کے دوقومی نظریات میں تقسیم ہونے کے بعد 1966 میں ہریانہ کومکمل طور پرایک خودمختار ریاست کا درجہ حاصل ہوا۔ چنڈی گرھ کو پنجاب اور ہریانہ کا مشترکہ طور پر دارالحکومت قرار دیا گیا۔ ریاستِ ہریانہ ابتدا ہی سے بہت زرخیز علاقہ رہا ہے۔اس وقت ہریانہ میں 22 اضلاع ہیں۔تاریخی مقامات کی ایک طویل فہرست ہے۔ پانی پت میں ابراہیم لودھی کا مقبرہ، بولی شاہ قلندر کی درگاہ کے علاوہ بے شمار مقبرے اور تاریخی مقامات ہیں۔سونی پت میں سونی پت مغل اور خواجہ خضر کے مقبرے کے علاوہ مغلوں کی متعدد یادگاریں کئی شہروں میں آج بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔شیخ چلّی کا مقبرہ، فتح آباد میں ہمایوں کی مسجد، بے شمار مندر اور درگاہیں، نیز مذہبی مقامات موجود ہیں جو عظمتِ رفتہ کی یادوں کوتازہ کرتے رہتے ہیں۔

ہندستان کی جنگِ آزادی میں ہریانہ کے شہیدانِ آزادی نے اپنی جان کی قربانیاں پیش کیں۔اس کی تفصیل مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی کی کتاب’1857اور ہریانہ‘میں موجود ہے۔

ہریانہ کے عوام بہت شجاع اور بہادر و جنگجو ہوتے تھے۔کروکشیتر ایک تاریخی اور اہم مقام ہے جہاں بھگوان شری کرشن نے جنگ کے لیے ایسی ہی بھومی کا انتخاب کیا تھا جس جگہ کی تاریخ بہت عظیم اور مشکل ہو۔اسی سرزمین پر مہابھارت کی جنگ ہوئی۔

سرزمینِ ہریانہ میں بڑے عظیم شاعر،ادیب اور فن کاروں اورصوفیہ نے جنم لیا۔دانشوری بھی اس کی روایت میں شامل ہے۔خانوادۂ حالؔی کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے اور یہ روایت افضل پانی پتی، حالؔی سے لے کر اودے بھانو ہنس، انوپ چند آفتاب سے ہوتی ہوئی ناصر کاظمی، بوعلی شاہ قلندر، خواجہ احمد عباس، صالحہ عابد حسین، غلام السیدین، کمار پانی پتی، جاوید وششٹ اور کشمیری لال ذاکر تک محیط ہے۔

ہریانہ اردو اکادمی کا قیام فریدآباد میں عمل میں آیا۔اس کے بنیاد گزاروں میں مظفرحسین برنی (گورنر ریاستِ ہریانہ) اور پیشکش کرنے والوں میں پروفیسر نثار احمد فاروقی کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ڈاکٹر جاوید وششٹ ہریانہ اردو اکادمی کے پہلے سکریٹری مقرر کیے گئے۔

دہلی سے متصل فریدآباد ایک زرخیز اور ترقی یافتہ مشہور شہر تصور کیا جاتا ہے۔دہلی سے فریدآباد کی آمدورفت میں بھی آسانی تھی۔مظفرحسین برنی اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کی زیرِ سرپرستی ہریانہ اردو اکادمی کی ادبی سرگرمیاں قائم رہیں بلکہ ڈاکٹر جاوید وششٹ کی نگرانی میں ادبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ بعدازاں اکادمی کے دفتر کو پنچکولہ منتقل کردیا گیا۔یہ شہر چنڈی گڑھ سے متصل ہے۔کشمیری لال ذاکر کو اکادمی کے سکریٹری کی ذمے داری دے دی گئی اور ایک طویل عرصے تک وہ سکریٹری کے منصب پر فائز رہے۔اردو جریدہ ’جمنا تٹ‘ بھی جاری کیا۔اب یہ ہریانہ اکادمی ساہتیہ اکیڈمی میں ضم کردی گئی ہے اور اردو سیکشن ڈاکٹر جتیندر پرواز کی نگرانی میں سرگرمِ عمل ہے۔

ہندستان کی مشترکہ تہذیبی روایات،صوفی سنتوں،رشیوں منیوں، درباروں، خانقاہوں، بازاروں،قصبوں، دیہی علاقوں، راجاؤں،نوابوں اور سلاطین کی تخلیقی کاوشوں سے عبارت ہے۔ یہ عہد تہذیب وتمدن کا، رامائن، مہابھارت، بھگوت گیتا، اُپنشد، گورو گرنتھ صاحب کی اخلاقی تعلیمات، رام کے اعلا کردار، امیر خسرو، سنت کبیر، بابا فرید، بلھے شاہ، وارث شاہ، گورونانک، تلسی داس اور سورداس کے روحانی نغمے اور میرا کا ویہ انسانی سماج کو اعلاترین قدریں عطا کرنے اور کامیابیوں سے ہمکنار ہونے کے لیے رہنما کا درجہ رکھتے ہیں۔ نانک اور چشتی نے وحدت کا گیت گاکر پیغامِ حق کو عام کیا:

چشتی نے جس زمین پر یہ پیغام حق سنایا
نانک نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

اسی سرزمینِ ذہانت آفریں پر اجنتا، ایلورہ، تاج محل، دکن کی فنِ تعمیر کے نمونے، بہمنی سلطنت، عادل شاہی، قطب شاہی، آصف جاہی، راجپوتانہ، مرہٹواڑہ، عہدِ مغلیہ اور اودھ کے نوابین کی علم پروری، سنگیت، فنِ موسیقی، فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر ہندستان کی مشترکہ تہذیب عظمتِ رفتہ کو تازہ کرتی رہی ہیں۔

البیرونی نے ’کتاب الہند‘ اور ابنِ بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ہندستانی تہذیب وتمدن کی تفصیل بیان کی ہے۔’تزکِ بابری‘ سے لے کر ہمایوں نامہ، گل بدن، آئینۂ اکبری اور تزکِ جہانگیری تک تہذیبوں کی داستان اور اُن کے امتیازات کا تذکرہ ملتا ہے۔نظامی کی کتاب ’دلّی سلطنت‘، عرفان حبیب کی ’میڈیول انڈیا‘، تارا چند کی ’تاریخ تحریکِ آزادیِ ہند‘، جواہر لال نہرو کی Discovery of India یعنی تلاشِ ہند کے علاوہ تاریخ تمدنِ ہند، ہندستان کی مختلف النوع عہد تہذیب کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔کالی داس کی (پرتھوی راج راسو) پرتھوی راج چوہان عہدِ قدیم کی ادبی وراثت کا اہم ستون تصور کیے جاتے ہیں۔

ترجمے کے ذریعے بھی تہذیبوں نے فروغ پایا۔ٹیگور نے اپنے تخلیقی پاروں اور خصوصاً ’گیتانجلی‘ کے ذریعے تہذیبی ورثے کوفروغ بخشا۔ پریم چند نے ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں یکساں طور پر اپنی تخلیقات پیش کیں۔ مغربی مفکرین نے ہندستانی زبانوں کے باہمی رابطے سے تہذیب وتمدن کی آبیاری کی۔ قرآن، گیتا، بائبل، شکنتلا ناٹک کے تراجم مذہبی رواداری اور تہذیبی ہم آہنگی کی علامت بن گئے۔

ہیون سانگ اور فاہیان جیسے عظیم سیاحوں نے بھی اپنی اپنی تہذیب وثقافت اور لسانی اقدار کے دیرپا نقوش چھوڑے۔دانشورانِ علم وفن کی تصانیف نے ہندستان کی علمی، ادبی اور تاریخی ورثے کوجلا بخشی۔ ہندستان کی سرزمین ابتدا ہی سے تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ بیرونی حکمرانوں کی آمد سے ہندستان علمی تہذیبوں کا مرکز ومسکن رہا۔ آج بھی اس ملک میں متعدد اقوام کے علاوہ قدیم وجدید تہذیبوں کا سنگم ملتا ہے جولسانی اور تہذیبی یک جہتی کی منفرد مثال پیش کرتا ہے۔

سندھ سے لے کر گجرات تک کا علاقہ ہمیشہ ایرانیوں اور عربوں کی گزرگاہ رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جہازوں کے ساتھ ان کی زبانیں اور تہذیبوں کے اثرات بھی خاموشی سے پھیلتے گئے۔

(نقوشِ سلیمانی، سیّد سلیمان ندوی، ص24، اشاعت 1939)

عالمی سطح پر مشرقی تہذیب کونمائندہ تصور کیا جاتا رہا ہے۔موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ کا آغاز بھی سب سے پہلے اسی سرزمین پر ہوا۔

ہندستان کی تہذیب وتمدن کی تاریخ بہت قدیم ہے۔اشوک کی لاٹیں، سلاطین کے محلات، مغلیہ عہد کی عمارتیں، مسلم سلاطین کی فنِ تعمیر سے گہری دلچسپی رہی۔ان عمارتوں کے معمار اور کاریگر عموماً ہندو ہوا کرتے تھے۔اس نوع کے عمل اور برتاؤ کو مشترکہ فنِ تعمیر وتہذیب کی علامت تصور کیا گیا۔ ہندو مسلم ذہن کا حسین امتزاج فنِ تعمیر ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطھر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***